© rasailojaraid.com

مائل ہوں کہ وہ چپقلش جو سید احمد بدوی اور ایک عورت فاطمہ بنت بری کے درمیان وقوع پزیر ہوئی، اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن اُس پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی گئی۔ محض اس حد تک محدود نہیں کہ ایک سرکش بدوی اور جنگلی عورت کو ریاضت کرانا مقصود تھا۔ بلکہ یہ واقعہ اس سے زیادہ عمیق اور دور رس ہے۔"

علاوہ ازیں اِن مستشرقین نے سید احمد بدوی کی شخصیت، عقل و خرد اور اُن کے علم پر بھی زبانِ طعن دراز کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں :- " احمد بدوی کے سلوکِ تصوف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کم درجے کے درویشوں میں سے تھے، جو ہندوستان کے یوگیوں سے زیادہ ملتے ہیں، اسی طرح عقلی اور ادبی لحاظ سے بھی اُن کی شخصیت بہت معمولی ہے۔"
یہ اور اس طرح کی اور چیزیں دائرۂ معارف اسلامیہ میں سید احمد بدوی کے متعلق مرقوم ہیں۔

اب جو شخص بھی سید احمد بدوی کے سوانح حیات کا مطالعہ کرے گا، وہ دیکھے گا کہ آپ بڑے عبادت گزار تھے اکثر خاموش رہتے، اور دل کی بات کہنی ہوتی تو اشاروں سے کام لیتے۔ آپ عزلت پسند بزرگ تھے، اور کثرت سے روزے رکھتے تھے، وہ اور اُن کے رفقاء اکثر چھتوں (سطوح) پر عبادت کرتے، اسی لئے اُنہیں "سطوحیۃ" کا لقب دیا گیا۔ سید احمد بدوی اللہ کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ جس شخص کا پرہیزگاری اور زہد میں یہ حال ہو، یقیناً اُس پر مستشرقین سے جو تیر بھی پھینکے جائیں گے، وہ ناکام رہیں گے اور وہ اُسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔

غرض اگر دائرہ معارف اسلامیہ والوں نے دائرہ (انسائیکلوپیڈیا) اسی لئے مرتب کیا ہے کہ وہ اُس کے ذریعہ علوم و معارف اسلامیہ کو صحیح شکل میں پیش کریں تو یہ اس مقصد سے کتنا دور رہے۔ اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا لیکن اگر اس دائرہ (انسائیکلوپیڈیا) کی تالیف سے اُن کا مقصد اہل مغرب کی نظروں میں مسلمانوں کی حالت کو بُرے رنگ میں پیش کرنا اور عام مسلمانوں کے عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور اُن کے نوجوانوں کو اپنے دین سے گمراہ کرنا ہے، تو پھر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہے

میں جب کبھی بھی یہ سوچتا ہوں کہ آگے چل کر اسی دائرہ (انسائیکلوپیڈیا) کی عام اشاعت ہو گی اور جدید مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خاطر اس کی طرف رجوع کریں گے، تو میں خوف کے مارے کانپ اُٹھتا ہوں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر لوگوں کے سامنے ایک ایسا "دائرہ معارف اسلامیہ" ہو جسے اُن اہل علم نے مرتب کیا ہو جن پر اُنہیں یہ اعتماد ہو کہ وہ علوم و معارف اسلامیہ کو صحیح صحیح نقل کریں گے، اور پھر یہ دائرہ (انسائیکلوپیڈیا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی زبان میں ہو، جسے جمہور سمجھ سکیں، تو یہ جو دائرہ (انسائیکلوپیڈیا) مستشرقین کا مرتب کردہ ہے، اس کے مُضر اثرات کم ہو سکتے ہیں۔

لیکن جب لوگوں کے سامنے اس قسم کا کوئی دائرہ (انسائیکلوپیڈیا) نہیں اور اسلامی علوم پر جو کتابیں ہیں، وہ سوائے اُن کے جنہیں اُن کے مطالعہ کی مشق ہے، دوسروں کے لئے مشکل ہیں، اور پھر وہ اِس دور کے آسان انداز میں جو آج کی روحِ عصر سے مناسب ہو، لکھی بھی نہیں گئیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہ متفرق ہیں، مجتمع نہیں۔ ایسی صورت میں ہمارے نوجوانوں کے سامنے نہ صرف اس دَور میں بلکہ آیندہ ادوار میں بھی اسلامی معلومات کے لئے لے دے کے صرف یہی دائرہ (انسائیکلوپیڈیا) مرجع رہ جاتا ہے اور اس میں جو اغلاط ہیں، چند کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔

موجودہ دائرہ معارف اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) کے ضرر کی کس طرح تلافی ہو یا اُسے کس طرح کم کیا جائے، میں نے اس پر بہت سوچا ہے۔ اس بارے میں میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس وقت جب کہ اس انسائیکلوپیڈیا کی اشاعت ہونا ہی ہے، بس یہی ہو سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ کرنے والوں کے ساتھ ایک یا دو عالم منسلک ہوں، اور ترجمے کی طباعت واشاعت سے پہلے یہ اُسے دیکھ لیا کریں، اور اگر وہ کہیں معلومات میں غلطی دیکھیں تو انسائیکلوپیڈیا کے اُسی مضمون کے حاشیے میں صحیح معلومات کا اندراج کر دیا جائے اس سے دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ نقلِ معلومات میں دیانت و امانت رہے گی، دوسرے موجودہ اور آیندہ نسلوں کے سامنے معلومات کی تصحیح ہو جایا کرے گی۔

"حکمت الٰہی نے افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی و قیام کے لیے بھی ایک خاص نظام مقرر کر دیا ہے۔ اور اُسی کے مطابق ایک جماعت کی جگہ دوسری جماعت سے اور ایک قوم کی زندگی دوسری قوم کی زندگی سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ افراد کے نظامِ حیات کی طرح جماعات کا نظامِ حیات بھی جدوجہد، سعی وطلب اور فکر وعمل کی صلاحیت کا نظام ہے اور یہاں بھی بقائے انفع کا قانون کام کر رہا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاسلام دین الاشتراکیۃ

محمد سرور

یہ کتاب مجموعہ ہے چند تقریروں کا، جو قاہرہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہوئیں، اور بعد میں اُنہیں کتابی شکل میں چھاپ دیا گیا ہے۔ حضرات مقررین میں علمائے دین بھی ہیں اور جدید درسگاہوں کے پروفیسر بھی۔

صدر جمال عبدالناصر کی زیر قیادت مصر میں ایک نئے معاشی نظام کا تجربہ کیا جا رہا ہے جسے وہاں عربی اشتراکیت اور کبھی کبھی اسلامی اشتراکیت کا نام دیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں کمیونزم کے لئے شیوعیت کی اصطلاح ہے۔ اور سوشلزم کے لئے اشتراکیت کی اصطلاح مروج ہے۔ مصر کے اس عرب سوشلزم میں ذاتی ملکیت بحال رکھی گئی ہے، اور چھوٹے پیمانے کے کاروبار بھی افراد کی ملکیت ہیں۔ اسی طرح اراضی کسانوں کے پاس رہنے دی گئی ہے، البتہ بڑی زمینداریاں ختم کر دی گئی ہیں، لیکن بڑی بڑی صنعتیں اور سکنی جائدادیں، بڑے بڑے تجارتی ادارے، یہاں تک کہ اخبارات بھی قومیا[1] لیے گئے ہیں۔ یہ ہے مصر کا عرب سوشلزم۔ زیر نظر کتاب پر مشتمل تقریروں میں اِسی سوشلزم کو اسلام کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام دین اشتراکیہ ہے۔

کتاب کے مرتب احمد فرلج تمہید میں لکھتے ہیں کہ عہدِ قدیم سے لے کر اب تک، جو بھی فلسفے اور اقتصادی و اجتماعی نظام وجود میں آئے ہیں، اُن سب میں اقتصادی مسئلے کی حیثیت بنیادی پتھر کی رہی ہے اور یہ کہ گو تاریخ کے ایک خاص دور میں پوری دنیا میں "آزاد کاروبار" کا مسلک غالب رہا ہے لیکن اب کچھ عرصہ سے اشتراکیت کی طرف زیادہ توجہ ہے، اور اسے اقتصادی مشکلات کو حل کرنے اور پیداوار کو بڑھا کر اقوام عالم کو خوش حال بنانے کا وسیلہ قرار دیا جا رہا ہے۔ مرتب کا کہنا ہے کہ اس وقت اشتراکیت کی متعدد عملی تعبیریں ہیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر روسی اشتراکیت بعض اُمور میں

[1] قومی ملکیت میں لینے کے اس عمل کو "تامیم" سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی کسی چیز کو امت کے لئے بنانا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چینی اشتراکیت سے مختلف ہے۔ اسی طرح یوگوسلاوی اشتراکیت کی اپنی جُدا نوعیت ہے۔ اور برطانوی لیبر پارٹی کی اپنی اشتراکیت ہے۔ موصوف کے الفاظ میں: اشتراکیت کی عملی تعبیروں کا یہ اختلاف اُن ملکوں کے مخصوص حالات کی رو سے ہے جہاں یہ نظام بروئے کار آیا ہے۔ اسی سلسلے میں مرتب لکھتے ہیں کہ جو ملک اقتصادی و سیاسی لحاظ سے کافی ترقی کر چکے تھے، اُن کے ہاں تو اشتراکی تعلیمات کے زیرِ اثر بعض مفید اصلاحات ہوئیں، لیکن جو ملک اقتصادی و سیاسی لحاظ سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں، اُنہیں اصلاحِ احوال کے لئے انقلاب (ثورۃ) کو ذریعہ بنانا پڑا ہے۔ اسی قسم کا انقلاب ۱۹۵۲ء میں مصر میں ہوا، اور "ایک اشتراکی' ڈیموکریٹی (دیموقراطی) اور تعاونی معاشرہ کی تعمیر قوم کا نصب العین بنا۔

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اس معاشرے کی تعمیر کے اُصول اور اُس کے لئے محرک جذبہ کہاں سے آئے؟۔ مرتب لکھتے ہیں کہ جہاں تک علمی اشتراکیت (اس سے مراد روسی و چینی اشتراکیت ہے) کا تعلق ہے، اُس کے ہاں انفرادی ملکیت کی اجازت نہیں اور پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کی ملکیت ہیں، لیکن ہماری اشتراکیت انفرادی ملکیت کی نہ صرف اجازت دیتی ہے، بلکہ اُس کا احترام کرتی ہے، البتہ وہ اس حق پر چند پابندیاں عائد کرتی ہے۔ چنانچہ ہر فرد پرائیویٹ سیکٹر (قطاعِ خاص) میں اپنی اقتصادی سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے، اس کے ساتھ ہی عام بہبود کے ادارے جن کا تعلق پبلک سیکٹر (قطاعِ عام) سے ہے، وہ پوری قوم کی ملکیت ہیں۔ یعنی انفرادی ملکیت سے جب مصلحتِ عامہ پر زد پڑے، تو اس وقت ہم اُس پر پابندیاں عائد کرتے ہیں تاکہ اس کی وجہ سے اجارہ داریاں نہ پیدا ہوں اور لوگوں کو ایک سے مواقع ملنے میں رُکاوٹ نہ ہو۔ الغرض ہمارے نظام میں بعض اشتراکی خصوصیات ہیں اور بعض سرمایہ دارانہ نظام کی خصوصیات، اور ہم نے ان دونوں میں ہم آہنگی و مطابقت پیدا کی ہے۔ ہمارے معاشرے نے فرد کی شخصیت کو ختم نہیں کیا، اور نہ اُسے بالکل آزاد رہنے دیا گیا ہے۔

خود مرتب کے اپنے الفاظ میں "یہ راہِ وسط محض اس کا نتیجہ نہیں کہ ہم نے بعض چیزیں ایک نظام سے لے لیں، اور بعض دوسرے نظام سے، بلکہ یہ سرچشمہ خود اِس قوم کے ضمیر، اُس کے ورثے اور اعتقادات سے پھوٹا ہے جو تقریباً کئی سو سال تک اس قوم کی خصوصیات رہیں۔ اور یہ راہِ وسط قوم کی ماضی و حال میں باہمی عمل و ردِ عمل کی تخلیق و حیات آفریں بازگشت ہے۔"

مرتب کے نزدیک دینِ اسلام محض ایک شخص کا ذاتی معاملہ نہیں کہ اُس کا معاشرے اور اُس کے اطوار، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتصادیات اور اُس کے مسائل سے کوئی تعلق نہ ہو، بلکہ وہ مشتمل ہے ایسے احکام و قواعد پر جو ایک فرد کے ساتھ دوسرے فرد کے، اور اُس کے اپنے خاندان، معاشرے اور سلطنت کے ساتھ تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔ مزید برآں دینِ اسلام ایک سلطنت کے دوسری سلطنت کے باہمی تعلقات اور امن اور جنگ کے تعلقات کو منظم کرتا ہے اور ایسے اُصول پیش کرتا ہے جو شرفِ انسانیت، سعادت، اور تمام لوگوں کے لئے امن اور سلامتی کو یقینی بناتے ہیں۔

جولائی ۱۹۶۱ء میں جب عربی اشتراکیت کے ان اُصولوں کو مصر میں عملی جامہ پہنایا جانے لگا تو استحصال پسند اور رجعت پرست اور جاگیردار طبقوں کے باقی ماندہ گروہوں نے ان کی مخالفت کی اور دینِ اسلام کو جو اُن کے ترکش میں آخری تیر تھا، اس کے لئے استعمال کیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ عوام کے دلوں میں دین داری کا جذبہ موجزن ہے، اور وہ دین کے نام سے ان اقدامات کی مخالفت پر اُنہیں اُکسا سکیں گے۔ اِن کا دعویٰ تھا کہ اسلام حقِ ملکیت کو محدود کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور نہ وہ قومیانے (تامیم) کی اجازت دیتا ہے اور نہ وہ دولت مندوں کی دولت کو جو اُنہوں نے پسینہ بہا کر کمائی ہے، قبضانے سے خوش ہے۔

اِن حالات میں یہ ضروری تھا کہ ان اُمور کے متعلق اسلام کے موقف کی نئے سرے سے وضاحت کی جاتی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ معاشرے کی اشتراکی قدروں کے تعین میں اسلام سب سے آگے تھا۔

یہاں بقول مرتب کے، ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اشتراکیت ایک نیا نظام ہے جسے لوگ سو دو سو سال سے جاننے لگے ہیں۔ اس صورت میں "اشتراکیتِ اسلام" کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ مرتب کے نزدیک یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن اُن کا کہنا یہ ہے کہ اسلامی نظام میں جب اجتماعی عدل، اجتماعی کفالت اور اشتراکی عنصر کے حامل قواعد موجود ہیں۔ تو کیا اس صورت میں اُن کو جو اسلام کو ایک عقیدے اور نظام کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کی عقلوں کے مطابق اُس زبان میں بات کریں، جسے وہ سمجھتے ہیں اور جس کے ذریعہ انہیں قائل کرنا آسان ہے۔ اس میں کوئی دغا یا فریب نہیں، بلکہ یہ آج کے زمانے کے اسلوب میں اپنی بات کہنا ہے۔

یوں اگر اقتصادی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو اسلام الگ سے اقتصادی مسئلے کا کوئی حل نہیں پیش کرتا، لیکن اُس نے زندگی کے جملہ پہلوؤں سے جو عمومی بحث کی ہے، اُس میں ہمیں بے شک ایسے اُمور مل جاتے ہیں، جن کا تعلق معاملات، افراد اور معاشرے کے حقوق اور ملکیت وغیرہ سے ہے۔ چنانچہ جس طرح قرآن مجید کو ہم ایک ایسی کتاب کے طور پر نہیں لیتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں افلاک، طبائع اور عجائباتِ کائنات سے بحث کی گئی ہو، یا وہ علم تربیت اور سیاسیات وغیرہ کی کتاب ہو، اسی طرح قرآن مجید کو ہم ایسی کتاب نہیں سمجھتے، جس میں اقتصادی مسائل پر بحیثیت اقتصادی مسائل کے بحث ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُس میں اِن سب اُمور کا اجمالی طور سے ذکر ہے اور وہ زندگی کا جو عمومی خاکہ پیش کرتا ہے، اُس میں یہ تمام چیزیں آتی ہیں۔

اب اسلام عقیدہ وایمان، عبادات اور اخلاق بھی ہے اور معاملات بھی۔ عقیدہ وایمان انسان میں یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ اُس کا ایک خالق و ربّ ہے، جو بصیر و علیم ہے، اور اُس سے انسان کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی۔ اُس کی بارگاہ سے اچھے کاموں کا اچھا بدلہ اور بُرے کاموں کا بُرا بدلہ ملے گا۔ یہ شعور ایک صاحبِ ایمان اور صاحبِ عمل شخصیت کی تشکیل کرتا ہے، اور یہی صحیح معنوں میں ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد بنتی ہے۔

عقیدہ وایمان اور عبادات و اخلاق کے بعد اسلام کا معاملات کا جو پہلو ہے، ہماری اشتراکیت کا خاص طور سے اسی سے تعلق ہے، لیکن ہم معاملات کو پہلی تین چیزوں سے الگ نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک یہ سب ایک وحدت ہیں۔ چنانچہ جب ہم اسلام کو "دینِ اشتراکیت" کہتے ہیں، تو اس سے ہماری مراد زندگی کا یہ پورا نقشہ ہوتا ہے۔ اور یوں بھی ہر عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک رُوحانی دوسرا مادی۔ اور یہ عبادات میں بھی ہے اور معاملات میں بھی۔ مثال کے طور سے نماز کا مادی پہلو وہ ظاہری اعمال ہیں، جو ایک نمازی ادا کرتا ہے اور اُس کا روحانی پہلو صدقِ نیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ ہے۔ اور ان مادی و روحانی دونوں پہلوؤں سے مل کر نماز کامل ہوتی ہے۔ اِسی طرح مال خرچ کرنے اور ٹیکسوں کی ادائیگی کو لیجئے۔ یہ ظاہر میں سب مادی اُمور ہیں، لیکن ان کی ایک روحانی حقیقت بھی ہے۔ اور وہ یہ شعور ہے کہ ہم ایسا کر کے افراد کے مال میں اللہ تعالیٰ اور معاشرے کے جو حقوق ہیں وہ ادا کر رہے ہیں۔

مختصراً مرتب کے نزدیک اس کتاب کے مندرج مباحث میں اسلام میں جو اشتراکیت ہے، اُس کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور ہمارے اشتراکی، ڈیموکریٹی (دیموقراطی) اور تعاونی معاشرے کی اشتراکیت کو اسلام میں معاملات کے جو اُصول و قواعد ہیں، اُن سے جس طرح کا گہرا تعلق ہے، اُس کی وضاحت ہے۔ اسی سے ہماری اشتراکیت کا اصلی ہونا اور جس سرچشمے سے وہ ہمارے ہاں پھوٹی ہے، اُس کا خالص ہونا یقینی ہوتا ہے اور اس کی رو سے وہ ارتقاء اور ترقی کی طرف انقلابی قدم اُٹھا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی تقریر کا عنوان ہے "الاشتراکیۃ العربیۃ بین النُظُم" اور مقرر ہیں جامعہ قاہرہ کے معاشیات و علوم سیاسیہ کے پروفیسر ڈاکٹر رفعت المحجوب۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ہر اقتصادی نظام کا جس سے کہ تاریخ واقف ہے، اپنا ایک فلسفہ ہوتا ہے، جو اقتصادی نظام کے اغراض و مقاصد کو جن کے حصول میں وہ کوشاں ہو ایک خاص شکل دیتا اور اُس کے طریقہ کار کو معین کرتا ہے۔ اسی کو ہم اس نظام کا سیاسی، قانونی اور اجتماعی ڈھانچہ کہتے ہیں اور اسی سے نظامِ اقتصادی مرتب ہوتا ہے۔ اب سرمایہ دارانہ نظام کا اپنا ایک فلسفہ ہے۔ اور کمیونسٹ (شیوعی) نظام کا اپنا۔ باقی رہی عربی اشتراکیت، جسے ہم نے بطور ایک نظام کے اختیار کیا ہے، اُس کا بھی دوسرے اقتصادی نظاموں کی طرح اپنا ایک فلسفہ ہے۔ اس فلسفے کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ یہ ایک عربی فلسفہ ہے۔ اور پرانا فلسفہ ہے اور بیک وقت فرد اور جماعت دونوں کا قائل ہے۔ اس ضمن میں یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ یہ محض سرمایہ دارانہ رجحان اور شیوعی رجحان کے درمیان ایک طرح کی بیچ کی راہ ہے، بلکہ عربی اشتراکیت کے فلسفے کی اپنی ایک مستقل ذاتی حیثیت ہے۔ یہ قدیم فلسفہ ہے، اور اس کے اجزائے ترکیبی اُن روحانی دینی قدروں سے ماخوذ ہیں جو اُمتِ عربیہ کے ضمیر میں رسی بسی رہی ہیں، چنانچہ جب ہم اِن روحانی دینی قدروں کا جائزہ لیتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ فرد کی بھی قائل ہیں اور جماعت کی بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام کے تمام ادیان ایک انسان کا بحیثیت ایک فرد کے احترام کرتے ہیں اور اِس بنا پر اُس کے جو طبیعی حقوق ہیں اُنہیں مانتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سارے ادیان فرد کے بجائے جماعت کو وہ وجود سمجھتے ہیں جو بنی نوع انسان کے سلسلے کو جاری رکھتا ہے۔ غرض ہمارے فلسفے میں فرد کا اپنا ایک مستقل وجود ہے، اور اسی طرح جماعت کا بھی اپنا ایک مستقل وجود ہے۔ اور عقل و منطق کا یہ تقاضا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی طبیعی جگہ کو سنبھالے مصلحت خاصہ کا اپنا مقام ہو، اور مصلحت عامہ کا اپنا۔

یہ ہے وہ ڈھانچا، جس سے عربی اشتراکیت تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ اب ہم وہ طریقۂ کار معین کرتے ہیں، جس پر چل کر ہم ایک ایسا نظام بروئے کار لا سکتے ہیں، جس میں فرد اور جماعت دونوں کا احترام برقرار رہے۔ اس سلسلے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بیک وقت انفرادی ملکیت اور ملکیت عامہ دونوں کو قائم رکھیں، اسی لئے ہمارے ہاں ایک تو "پبلک سیکٹر" ہے، جو مفاداتِ عامہ کا خیال رکھتا ہے۔ اور ایک پرائیویٹ سیکٹر ہے جو مفادات خاصہ کو ممکن العمل بناتا ہے، چنانچہ اسی بنا پر ہمارا نظام سرمایہ دارانہ نظام اور شیوعی نظام ہر دو سے مختلف ہے، وہ سرمایہ دارانہ نظام سے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیئے مختلف ہے کہ ہم "پبلک سیکٹر" کو وسیع مواقع دیتے ہیں، جو کہ سرمایہ دارانہ نظام نہیں کرتا۔ اور شیوعی نظام سے ہمارا یہ اختلاف ہے کہ ہم وسائل پیداوار میں انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتے ہیں، اور یہ شیوعی نظام نہیں کرتا، بلکہ ہم تو اس نظام کے برعکس یہ کرتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"جو مالک ہیں، اُن سے اُن کی املاک لیتے ہیں اور غلامین و کسانوں میں سے جو غیر مالک ہیں انہیں مالک بناتے ہیں۔" اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے نظام کا یہ جو مسلک ہے، یہ محض دو نظاموں (سرمایہ دار اور شیوعی) کا نقطۂ اوسط نہیں بلکہ یہ ایک خاص فلسفے کا حاصل ہے۔ غرض ہم قومی ملکیت کے اس لئے حامی نہیں کہ وہ قومی ہے اور انفرادی ملکیت کے اس لئے خلاف نہیں کہ وہ انفرادی ہے، بلکہ قومی ملکیت وہاں بروئے کار آتی ہے جہاں پیداوار بڑھانے، عدل اجتماعی قائم کرنے اور محتاج طبقوں پر خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ انفرادی ملکیت ان مقاصد کو پورا نہیں کر رہی اور وہ تغلّب، معاشی استحصال اور اجارہ داری کا ذریعہ بن گئی ہے تو ہم منصفانہ معاوضہ دے کر انفرادی ملکیت کو ختم کر دیتے ہیں، لیکن جہاں انفرادی ملکیت سے اِن مقاصد پر زد نہ پڑے، ہم وہاں اُس کا احترام کرتے ہیں، اور اُسے برقرار رہنے دیتے ہیں۔

اپنے اس فلسفے کی روشنی میں ہمارا اجتماعی اسلوبِ زندگی بھی سرمایہ دارانہ اور شیوعی اسلوبِ زندگی سے مختلف ہے۔ ہم ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس آبادی کے مختلف طبقات میں بہت زیادہ تفاوت تسلیم نہیں کرتے اور نہ اُن کے درمیان سماجی دیواریں کھڑی کرنے کے حق میں ہیں، دوسری طرف ہم شیوعی نظام کی طرح طبقاتی کشمکش کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا اجتماع کی وحدت اور اُس کے افراد کے درمیان تعاون پر ایمان ہے اور یہ اس لئے کہ ہم عدل اجتماعی پر ایمان رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی وحدت اور عدلِ اجتماعی میں طبقاتی کشمکش کا زیادہ امکان نہیں۔ اسی بنا پر یہ ایک منطقی بات ہے کہ ہم طبقات کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی طرف توجہ کریں تاکہ ہر فرد کو اپنی استعداد اور کارکردگی کے مطابق سرگرمِ عمل ہونے کا اجتماعی موقع ملے۔

مزید برآں ہم شیوعی نظام کے برعکس اجتماعی طبقات کا صفایا نہیں کرتے اور نہ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ صرف پرولتاری طبقہ اقتدار پر قابض ہو، بلکہ ہم اجتماع کی وحدت اور اجتماعی عدل قائم کرتے ہیں۔ یہی ہمارا فلسفہ ہے۔ اسی مقصد کو ہم سامنے رکھتے ہیں۔ یہ ہمارا طریقۂ کار ہے اور ان سب سے مل کر ہمارا نظام مرتب ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری تقریر جامعہ قاہرہ کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز کامل کی ہے۔ موصوف نے اشتراکیتِ اسلام کے طریقۂ کار پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے "یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" (اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے) اب جہاں تک لوگوں کے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونے کا تعلق ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام وسائل اور طاقتیں جن سے افراد کام لیتے اور افزائش دولت کرتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں، چنانچہ اس لحاظ سے افراد اللہ کے محتاج ہیں اسی بنا پر اُن کے مال میں اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے۔ اور یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے پاس بطور امانت کے ہے۔

یہ تھا وہ عقیدہ جس کے عملی مظاہر ہمیں آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ کی زندگیوں میں ملتے ہیں۔ وہ مال کو اللہ کی امانت سمجھتے تھے اور اُس کے احکام کے مطابق اُسے خرچ کرتے تھے۔

ڈاکٹر موصوف کے نزدیک اقتصادیات اور عقائد و عبادات و اخلاق الگ الگ چیزیں نہیں، بلکہ یہ سب ایک کامل اجتماعی نظام کا حصہ ہیں، جو نماز، زکوٰۃ، اخلاق اور اقتصادیات میں فرق نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں افراد محض دولت پیدا کرنے والے آلات نہیں، بلکہ اُن کا ایک روحانی وجود بھی ہے، جس کے اپنے حقوق ہیں۔ اسی طرح اُن کے بدن کے بھی حقوق ہیں۔

جامعہ ازہر کی کلّیہ شریعت کے عمید (پرنسپل) شیخ محمد محمد مدنی نے اسلام میں اشتراکیت کے بنیادی قواعد اور اُس میں جو اجتماعی کفالت کا نظام ہے اُس پر بحث کی ہے۔ موصوف کے نزدیک قبل از اسلام احبار و رہبان نے بادشاہوں اور اصحاب اقتدار کی مدد سے انسانوں کو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا۔ اسلام نے آکر انسانی مساوات کا اُصول نافذ کیا۔ ہر وہ سیادت و اقتدار جو خون، نسل اور مذہبی گدّی سے ماخوذ تھی اُسے ختم کیا اور مرد و عورت کی غیر منصفانہ تقسیم کو مٹایا۔ اُس نے اعلان کیا کہ سب انسان ایک ہی نوعِ بشر ہیں اور سب کا مورثِ اعلیٰ ایک ہی ہے، چنانچہ بلالؓ جو ایک حبشی غلام تھے، وہ علیؓ کے جو خالص النسب قریشی تھے، ساتھی بن گئے۔ سلمان فارسیؓ عمرؓ بن خطاب کے ہم مثل اور بھائی تھے، اور آزاد کردہ غلام زیدؓ کے صاحبزادے اُسامہؓ ایک ایسے لشکر کے سپہ سالار بنے جس میں بڑے بڑے قریشی تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کی وہ جامع آیت جو مساواتِ انسانی کے اُصول کو معین کرتی ہے، حسب ذیل ہے:۔

"یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِی تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیبًا"

(اے لوگو ڈرتے رہو اپنے ربّ سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اُسی سے پیدا کیا اُس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطے سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے) مقرر موصوف نے بتایا کہ اس آیت میں اُس پہلے بنیادی اُصول کا تعین کیا گیا ہے جو ایک صحت مند معاشرے کے قیام کے لئے لازمی ہے۔ اور وہ بنیادی اُصول ہے اللہ کی نظر میں اور اُس سے ڈرتے ہوئے اور اُس کی نگہبانی میں سب انسانوں کا مساوی ہونا اور اُن سب کا ایک مرد اور عورت سے پھیلنا۔ اور بقول شیخ مدنی کے اس آیت سے حسب ذیل اُمور منتج ہوتے ہیں:۔

(۱) طبیعی تفریقات کا خاتمہ (۲) دینی اور نسلی تفریقات کا خاتمہ

(۳) مرد اور عورت میں اجتماعی تفاوت کا خاتمہ

(۴) معاشرے میں ایک نفسی و معنوی انتباہ کرنے والی چیز۔ اور وہ ہے اللہ سے ڈرنا۔

(۵) انسانی رشتے کے جذبے کو اُبھارنا[۱] ۔ والارحام میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وزارت اوقاف کے مدیر مساجد شیخ الغزالی نے وسائل ملکیت اور ملکیت کی تحدید پر تقریر کی، موصوف نے فرمایا کہ اشتراکیت ایک نیا لفظ ہے جو قدیم معنی کی ترجمانی کرتا ہے اور وہ ہے حیات عامہ میں کمالِ انسانی کے معانی میں سے ایک معنی۔ اشتراک انفرادیت کی ضد ہے۔ اور جہاں انفرادیت انانیت، حرص اور خود پرستی سے عبارت ہے وہاں اشتراک دوسرے کی محبت، اس کے احترام اور اُس کے حقوق کے احساس پر دلالت کرتا ہے۔ اشتراکی معاشرے کے معنی یہ ہیں کہ جماعتی زندگی ایک ایسے اخلاقی نظام کے مطابق ہو، جس میں باہمی تعاون، ایثار، کفالت، عدل و انصاف سب کے لئے یکساں مواقع اور طبقاتی توازن ہو۔ یعنی اُس معاشرے میں جنبہ داری، للالچ، ظلم اور اجارہ داری کی بُرائیاں

---

[۱] شاہ عبدالقادرؒ کے موضح قرآن میں ہے "یعنی ایک آدم سے حوا کو بنایا پھر اُن سے سارے لوگ، اور خبردار ہو ناتوں سے یعنی بدسلوکی مت کرو آپس میں۔ ۱۲"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفقود ہوں۔ غرض ان معنوں میں اشتراکیت ایک اسلامی نظام ہے، جس کا تانا بانا ثابت شدہ نصوص اور ایسی تعلیمات اور تطبیقات سے مرکب ہے جن میں کوئی شک نہیں، بلکہ قدیم عرب اپنے ابتدائی معاشرے میں جہاں فطری سلامت روی کا دور دورہ تھا، انہی اخلاق کے مطابق زندگی گذارتے تھے۔

اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ جس شخص کے پاس فالتو سواری ہو، وہ اُس شخص کو جس کے پاس سواری نہیں دے۔ جس شخص کے پاس فالتو زاد راہ ہے، وہ اُس شخص کو دے، جس کے پاس نہیں۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ آپؐ نے ہر مال کی صنف کا ذکر کیا، یہاں تک ہم نے جان لیا کہ ہم میں سے کسی کو اپنے فالتو مال میں کوئی حق نہیں۔ مقرر کے نزدیک مدینہ میں جو پہلا اسلامی معاشرہ معرض وجود میں آیا۔ وہ انہی بنیادوں پر تھا، موصوف نے اس معاشرے کی بہت سی مثالیں پیش کیں۔

وہ مال جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، کیا وہ بلا شرط اور بلا تحدید ہماری ملکیت ہے کہ ہم اُس میں سے جیسے چاہیں تصرف کریں یا یہ ملکیت محدود اور معاشرے کے قوانین کے تابع ہے۔ اس معاملے میں نصوص دینی بالکل واضح ہیں، اُن کے نزدیک ہماری یہ ملکیت حقیقی نہیں، بلکہ ہمیں یہ مال بطور امانت کے ملا ہے۔ چنانچہ یہ سمجھنا کہ مال والے اپنے مالوں میں جو تصرف کرتے ہیں، اس کا حساب وہ صرف آخرت میں دیں گے، صحیح نہیں اور اسلامی اصول اور خلفائے راشدین کا عمل اس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہم ایسے اور اس قسم کے دوسرے اُمور کے لئے ایک عام قاعدہ قرآن کریم کی اس آیت سے اخذ کرتے ہیں:۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر) یعنی دینوں اور رسالتوں کا اوّلیں مقصد عدلِ اجتماعی و سیاسی کے قیام اور مادی اور معنوی قوانین کے اجراء کے ذریعہ لوگوں میں توازن قائم کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے وہ ترازو جو نبیوں کے ساتھ اُتاری گئی، وہ عام ترازو نہیں جسے تاجر استعمال کرتے ہیں، بلکہ وہ قانون کی ترازو ہے، جو لوگوں کے اعمال و اطوار کے نظم و ضبط، اُن کے حقوق و واجبات کی تقسیم اور جماعتوں کی تنظیم کے لئے مصلحین کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بے شک اس ترازو کے احکام زمانوں کے ساتھ ساتھ بدلتے ہیں۔ اور ملکوں اور ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ان میں تبدیلی ہوتی ہے، لیکن جہاں تک "قیام الناس بالقسط"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(لوگوں کو انصاف پر سیدھے رکھنے) کا سوال ہے، وہ ایک ایسا بنیادی محور ہے، جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔

بعض علمائے اُصول کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کے "مصالح مرسلہ[1]" کے عملی جامہ پہننے میں کوئی نص روک ہو، تو اس نص کی تاویل کی جائے اور "مصالح مرسلہ" کو جن کے بغیر چارہ نہیں، عملی شکل دے دی جائے۔ غرض جب انسانی جماعت کی اصلاحِ حال کا مسئلہ دین کی نظر میں یہ مقام رکھتا ہے، تو کیا کسی ایک طبقے کے حاصل شدہ اور غصب شدہ حقوق ایک معاشرے کی عام بہبود اور اُس کے افراد کی غالب اکثریت کی سعادت کے حصول میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ اور کیا اس صورت میں جائز نہیں ہوگا کہ جہالت، ذلت اور افلاس کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے جن میں عوام کی ایک بڑی اکثریت جکڑی ہوئی ہے زرعی آراضی اور صنعتی اداروں کی ملکیت کو محدود کر دیا جائے، اس کی مخالفت دین سے بے خبری اور ظلمِ عظیم ہے۔

شیخ الغزالی فرماتے ہیں کہ لوگوں سے اُن کے مال کا حساب اِس دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اور اموال میں انفرادی، اجتماعی اور سیاسی مصلحتوں کو ملحوظ رکھنا ہی اُن کا حساب ہے۔ چنانچہ دینی نقطۂ نظر سے حکومت کو اس کا پورا حق ہے کہ وہ ان مصلحتوں کو پورا کرنے کے لئے جو بھی چاہے حل پیش کرے اور جس قسم کے بھی چاہے قانون بنائے اور جب تک وہ حق کے لئے کوشاں اور عدل اجتماعی کو بروئے کار لانے کی ساعی ہے، اُسے پورا اطمینان ہونا چاہئے کہ دین اُس کے ساتھ ہے نہ کہ اُس کے خلاف۔

شیخ موصوف کی تقریر کا آخری جملہ یہ ہے:-

"آج حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ظلم کرنے والے ہاتھوں کو روکے اور پوری قوم کے مفادات کے لئے مال فراہم کرے۔ نیز وراثت ملکیت ہی کی ایک شاخ ہے اور چوری ملکیت نہیں ہو جاتی۔"

---

[1] "... سوائے داؤد ظاہری کے تمام ائمہ اس اُصول پر متفق ہیں کہ مسائل معاملات میں عقلی پیمانے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور وہ مصالح اور رفاہ عامہ پر مبنی ہیں۔ جب شرع اِن مصالح کا جواز یا عدم جواز نص یا قیاس کے ذریعہ واضح کر دے تو اس کی تعمیل ضروری ہے، لیکن جب شرع مصالح کے بارے میں خاموش ہے یعنی جب دلائل شرعیہ کسی امر کی مصلحت کو واضح نہ کریں تو ہم اس میں مصالح عامہ سے استصواب کر سکتے ہیں امام مالک نے اس کو جائز قرار دیا ہے یعنی اُن کے نزدیک مصلحت بھی ایک دلیل شرعی ہے۔ انہوں نے اس جدید دلیل کا نام مصالح مرسلہ رکھا ہے......" الخ (فلسفہ شریعت اسلام تالیف ڈاکٹر صبحی اردو ترجمہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فضیلۃ الاستاذ" شیخ احمد الشرباصی جمعیات شبان المسلمین کے "رائد عام" نے "المال والاشتراکیۃ فی الاسلام" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ لفظ "اشتراکیت" ہمارے ہاں جن معنوں میں معروف و مشہور ہے اُس سے مراد یہ ہے:۔ لوگ خیر اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں۔ نعمتوں کو آپس میں بانٹیں اُن میں باہم اس طرح میل ملاپ ہو، جیسے وہ ایک جسم کے اعضا اور ایک عمارت کی اینٹیں ہیں تاکہ اُن سے کینے اور عداوتیں دور ہو جائیں اور ایک قوم کے مختلف طبقوں میں بہت زیادہ فرقِ مراتب نہ رہے اور یہ نہ ہو کہ ایک تو حد سے زیادہ امیر ہو۔ اور دوسرا اتنا غریب ہو کہ اُسے کھانے کو نہ ملے۔

اب واقعہ یہ ہے کہ دینِ حنیف اپنی النفوص وروح اور اپنے قوانین کے ذریعہ ایک ایسی اشتراکیت کو بروئے کار لانا چاہتا ہے جو انسانیت، اخلاق، عدل و انصاف اور فضیلت پر مبنی ہو، اور وہ جامع ہو عدلِ اجتماعی اور انفرادی ملکیت پر دو پر۔ تاکہ اس طرح ایک طرف تو فرد کا حق محفوظ رہے اور دوسری طرف جماعت و اجتماع کے حقوق کی حفاظت ہوتی رہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ جماعتوں اور قوموں کی ہلاکت کا سبب یہ ہوا کرتا ہے کہ اُن میں ایک حد سے زیادہ دولت مند و آرام طلب طبقہ ہوتا ہے جو ساری نعمتوں اور آسودگیوں کو اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا[1]

مزید برآں اسلام نے اپنے ماننے والوں کے نفوس میں "صاحبِ فضیلت اسلامی اشتراکیت" کی روح کو مستحکم کرنے کے لئے اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو بھی مال، جائداد، قوتیں اور ثروت ہے، وہ سب کی سب فی الحقیقت اللہ کی ملکیت ہیں، کیونکہ اُن کو پیدا کرنے والا اور وجود میں لانے والا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

"وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" ـــ "بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ"[2]

نیز قرآن مجید میں ہے ـــ "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"[3]

---

[1] (ترجمہ) جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، تو ہم اُس کے دولت مند آرام طلب طبقہ کو ...... حکم دیتے ہیں، چنانچہ وہ اس میں فسق و فجور کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ کا حکم اُس پر صادق آتا ہے۔ اس کے بعد ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

[2] (ترجمہ) "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب اللہ کا ہے" ـــ "اُسی کے ہاتھ میں ہر شئے کا اختیار و اقتدار ہے۔"

[3] کہہ دے! اے اللہ تو ہی اختیار کا مالک ہے، جسے تو چاہتا ہے، اختیار دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے اختیار چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، تیرے ہاتھ ہی میں ساری بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ انسان کو جو مالک بنایا گیا ہے، تو اُس کی ملکیت مستعار ہے۔ حقیقی مالک اللہ ہی ہے، انسان اِس ملکیت میں اللہ تعالیٰ کا صرف قائم مقام اور وکیل ہے۔ اور وکیل کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اصل مالک کے احکام کے مطابق عمل کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے: "اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ"[1]۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: "وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ"[2]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "المال مال اللہ وانا عبدہ"[3]

اسلام نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا میں جو نعمتیں پیدا کی ہیں، وہ دوسروں کو چھوڑ کر صرف ایک طبقے کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی آل وعیال[4] اور اُسی کے بندے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے، وہ سب اُن کے لئے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا"[5] نیز "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا"[6]۔ اور قرآن مجید میں ہے۔ "وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا"[7]۔ یہاں جن اموال کا ذکر ہے وہ سُفہاء کے اموال ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنہیں "اموالکم" یعنی تمہارے اموال کہا ہے۔ یعنی اموال اصل میں اور عمومی طور پر قوم کے ہیں اور اُنہیں کوئی ایک شخص یا طبقہ اپنی اجارہ داری نہیں بنا سکتا۔

اِس کے ساتھ ہی اسلام ملکیت کا اثبات اور احترام کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے: "فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"[8]

---

[1] (ترجمہ) خرچ کرو اُس مال میں سے جس کا اللہ نے تمہیں جانشین بنایا ہے۔

[2] اللہ کا مال جو تمہیں اُس نے دیا ہے، وہ اُن کو دو۔

[3] مال اللہ کا ہے۔ اور میں تو اُس کا بندہ ہوں۔

[4] الخلق کلھم عیال اللہ وعبادہ

[5] وہی ہے جس نے تم سب کے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا۔

[6] اُسی نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، تم سب کے لئے مسخر کیا۔

[7] اور نہ دو بے سمجھوں کو اپنے اموال جو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زندگی کا ذریعہ بنائے ہیں۔

[8] پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل ڈھونڈھو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کے فضل کو ڈھونڈنے سے مراد کسب رزق اور اُس کی ملکیت ہے اور حدیث نبوی میں مسلمان کے اُس مال کی جو "صحیح وسلیم" ہو حرمت کا یوں اثبات کیا گیا ہے۔

کل المسلم علی المسلم حرامٌ: دمہ ومالہٗ وعرضہٗ[1]"

تعلیماتِ اسلامی سے یہ مفہوم بھی ملتا ہے کہ ملکیت کا اصل ذریعہ عمل ہے، اگرچہ انسان عمل کے علاوہ وراثت، ہبہ اور وصیت سے بھی ملکیت حاصل کرتا ہے، لیکن یہ تینوں طریقے بہت کم ہیں۔ زیادہ تر عمل ہی ملکیت کو ممکن بناتا ہے۔ چنانچہ اسلام بار بار کسب رزق افزائشِ پیداوار اور ملکیت کے لئے سعی وعمل کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے "ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ[2]" اور اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔ "وان لیس للانسان الا ما سعیٰ[3]"۔ اسی ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "بہترین کسب اور کمائی یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کام کرے"۔ اسی طرح آپؐ کا ارشاد مبارک ہے ایک شخص کا بہترین کھانا یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے"۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اُس کا ہاتھ کام کرتے کرتے تھک گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "یہ وہ ہاتھ ہے جسے اللہ اور اُس کا رسول محبوب رکھتا ہے"۔ ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ حرفے والے بندے کو محبوب رکھتا ہے"۔ اور حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ میں ایک آدمی کو دیکھتا ہوں اور اُس کی شکل وصورت مجھے بڑی اچھی لگتی ہے۔ لیکن جب کہا جاتا ہے کہ "لَا عَمَلَ لَہٗ" (اُس کا کوئی عمل نہیں) تو وہ میری نظر میں گر جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ مال جو صحیح طریقے سے ایک مسلمان کی ملکیت میں آئے اسلام اُس ملکیت کا اثبات اور احترام کرتا ہے لیکن اس کے بعد صاحب مال پر واجب ہے کہ اس مال پر اللہ اور اُمت کا جو حق ہے، اُسے وہ ادا کرے۔ اللہ کا حق مقرر ہے اور اُس سے مفر نہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے "والذین فی اموالھم حق

---

[1] ہر مسلمان دوسرے کے لئے حرمت کے قابل ہے یعنی اُس کا خون، اُس کا مال اور اُس کی آبرو۔

[2] اُسی نے زمین کو تمہارے لئے ہموار ونرم بنایا ہے کہ تم اُس کے راستوں میں چلو اور اللہ کے رزق سے کھاؤ اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔

[3] انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم للسائل والمحروم[۱] اور اس سلسلے میں بعض حق بندے کی مرضی پر بھی ہیں، جیسے صدقہ اور دوسروں کے ساتھ احسان کرنا۔ باقی رہا اُمت کا حق، تو وہ ہے، جسے شرعی حاکم (ولی الامر) معین کرتا ہے۔ اسے عہدِ حاضر کی زبان میں ٹیکس کہتے ہیں اور یہ اُمت کے مفادِ عامہ کے لئے وصول کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر صاحبِ مال اپنا مال دوسروں کو نقصان پہنچانے یا اللہ کی طرف سے ممنوع شدہ طریقوں پر صرف کرتا ہے، تو اس صورت میں بھی حاکم مداخلت کرنے کا مجاز ہے۔ غرض اگر انفرادی ملکیت ان حدود میں رہے، تو یقیناً اسلام اس کا حق تسلیم کرتا ہے۔

اسلام ایک طرف فقر و احتیاج کو ناپسند کرتا ہے اور دوسری طرف وہ مال جمع کرنے والوں کو بھی اِن الفاظ میں انتباہ کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔" والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون[۲]"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضیلت والے مثالی اشتراکی معاشرے کی تشکیل کا آغاز اُس وقت کیا جب آپؐ نے بے خانماں کے سے نکالے ہوئے مہاجرین اور زمینوں اور مکانوں والے انصار میں بھائی چارہ کی بنیاد رکھی۔ اور اکثر انصار نے جو کچھ اُن کے پاس تھا اُس میں اپنے مہاجر بھائیوں کو برابر کا شریک کر لیا۔ اس کے بعد وہ مال غنیمت جو کسی لشکر کشی کے بغیر آیا، اُسے آپؐ نے تہی دست مہاجروں اور بعض انصار کو جو اُن کی طرح تہی دست تھے، دے دیا، تاکہ سب مومنین میں ایک طرح کی مساوات ہو جائے اور جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، دولت صرف اغنیاء میں گھومتی نہ رہے۔[۳]

---

[۱] (ترجمہ) اُن کے اموال میں سائل اور محروم کا ایک معین حق ہے۔

[۲] وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری دو۔ اُس دن جب اس پر دوزخ کی آگ گرم کی جائے گی اور اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغا جائیگا۔ یہ ہے جو تم جمع کرتے تھے اپنے لئے لہٰذا چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔

[۳] کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں، جن میں بقول الشیخ احمد الشرباصی کے ہم "اسلامی انسانی اخلاقی مومن اشتراکیت" کے واضح نقوش پاتے ہیں۔ اِس ضمن میں مقرر موصوف نے امام بن حزم کا ایک قول نقل کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے "ہر شہر کے اغنیاء پر فرض ہے کہ وہ اپنے ہاں کے محتاجوں کی ضرورتیں پوری کریں اور حاکم و سلطان اس پر انہیں مجبور کر سکتا ہے۔ اگر اس کے لئے زکوٰۃ اور سارے مسلمانوں کے فی[1] کے اموال کافی نہ ہوں، تو اُن کے لئے ضروری کھانے کا انتظام کیا جائے۔ سردی اور گرمی کے لئے کپڑوں کا انتظام ہو اور مکانوں کا انتظام ہو، جہاں وہ بارش، دھوپ، گرمی اور گزرنے والوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔"

اب رہا سوال قومی ملکیت میں لینے یعنی "تامیم" کا، کہ اس کا اشتراکیتِ اسلام سے کہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ اسلامی اشتراکیت ایک انسانی، انصاف پسند، معتدل اور حد سے نہ بڑھنے والی اشتراکیت ہے، چنانچہ جہاں اسلام تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیتا ہے، وہاں وہ اجارہ داری کے خلاف ہے۔ وہ ایک طرف انفرادی ملکیت کی اجازت دیتا ہے اور دوسری طرف معاشرے کو تمام افراد کا کفیل ٹھہراتا ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اُمت کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے والے وسائل ایک فرد یا چند افراد کی ملک ہوں۔ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں "تین چیزوں میں سب لوگ شریک ہیں:- پانی، گھاس، اور آگ" ان تین چیزوں سے آپ اُن سب چیزوں کو قیاس کر سکتے ہیں جن سے آج عمومی مفادات وابستہ ہیں۔

اسلام میں قومی ملکیت کی تائید میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں "نقیع" کے رقبے کو "حمیٰ" قرار دیا تھا کہ وہاں عام مسلمانوں کے گھوڑے چرا کریں، اور وہ کسی فردِ واحد کی ملکیت نہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپؐ نے اُسے اُمت کی ملک قرار دیا تھا اور اسی کو قومی ملکیت (تامیم) کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ربذہ کے قطعۂ زمین کو "حمیٰ" قرار دیا، اور اسے سارے مسلمانوں کے لئے چراگاہ بنا دیا۔ اور جب اس قطعۂ زمین کے مالکوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ ہماری زمین ہے، ہم زمانۂ جاہلیت میں اس کے لئے لڑتے رہے ہیں اور جب ہم اسلام لے آئے تو یہ ہمارے پاس تھی، تو اب آپ کیسے اسے "حمیٰ" قرار دیتے ہیں۔ اس پر

---

[1] فیٔ کے معنی مالِ غنیمت کے ہیں۔ ۱۲۔

© rasailojaraid.com